جلد01شمارہ2024،17

Article

Feminism and the Literary Scenario

تانیثیت اور ادبی صورت حال

Prof. Dr. Muhammad Arshad Ovasi[*1] **Dr. Tauqir Ashraf Ch.**[2]

[1] Head Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore, [2] Deputy Controller of Examinations, University of Gujrat

drarshadovaisi@lgu.edu.pk *Correspondence:

پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد اویسی ،[1] ڈاکٹر توقیر اشرف چوہدری[2]

[1] صدر شعبہ اردو لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور، [2] ڈپٹی کنٹرولر امتحانات، یونیورسٹی آف گجرات

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:14-07-2024
Accepted:17-09-2024
Online:27-09-2024

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: The scope of Urdu literature has always been wide in accepting modern critical and intellectual ideas. Feminism as a literary ideology is a western theory. In Urdu literature, it started on an individual level instead of a movement when in Urdu writings Rashid Al-Nisa, Mrs. Abbas Tayyab Ji, Akbari Begum and Abbasi Begum wrote on the marriage and education of women. Hijab Imtiaz's novel "Tirhi Lakir" was considered as the first authoritative voice of femininity in Urdu. Then there are Novel and short story writers Mumtaz Shirin, Salma Siddiqui, Zakia Mashhadi, Jilani Bano, Khadija Mastoor, Khaleda Hussain, Bano Qudsia and Bushra Rehman and Jamila Hashmi. Along with the prose creations, elements of femininity also began to permeate the genre of poetry when Ada Jafari says in one of her poems "Shehr Bano bhi mera naam raha Maryam bhi". After that, femininity in Urdu poetry looks like a movement. In the recent past and in the modern situation, feminism has emerged as a powerful phenomenon which has created a wave of change in all the past literary attitudes which has given a charming boost to the aesthetics of more or less all literary genres.

Keywords: Feminism, existentialism, Hijab Imtiaz Ali, literary genres.

تانیثیت کو ایک نظریے اور فلسفیانہ فکر کے طور پر دیکھیں تو یہ مغرب کی دین ہے۔ اس کے مباحث میں آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی ایک تعریف متعین کر لی جائے تاکہ اس کے عناصر ترکیبی، بنیادی خدوخال اور بطور ادبی رویہ اس کی خصوصیات کو پرکھا جاسکے۔ اس کی ایک جامع تعریف متعین کرنے میں بہت سی دشواریاں اور تعصب حائل ہیں شدت پسندی کا معاشرتی رویہ اس کی جو صورت دکھاتا ہے وہ معتدل طبقوں کے لیے قابل قبول نہیں ہے جب کہ اعتدال پسند رویہ رکھنے والوں کا نقطہ نظر دوسرے گروہ کو قبول نہیں ہے، تاہم اگر لغت یا انسائیکلوپیڈیا کے راستے اس کے معنی تک پہنچنے کی کوشش کریں تو عربی لفظ تانیث یا تانیثیت سے مشتق انگریزی متبادل Feminism لاطینی اصطلاح Femina کا مترادف ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ۱۸۷۱ء میں فرنچ میڈیکل ٹکسٹ میں Feminish کا استعمال نسوانیت والے مردوں کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ کیمبرج ڈکشنری میں اسکی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے۔

The belief that women should be allowed the same rights, power and opportunities as man and be treated in the same way, or the set of activities intended to achieve this sate

اسی طرح انگریزی کی دیگر معروف لغات میں بھی کم و بیش یہی تعریف ملتی ہے لیکن اس سے تانیثیت بحیثیت نظریہ، فکر یا تھیوری ایک جامع تعریف متعین نہیں ہوتی۔ تانثیت کی ایک معتبر آواز سیمون دی بوائر کی تصنیف The second Sex کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ہم تانیثیت کی فکری بنیادوں کو کسی حد تک سمجھ سکتے ہیں اس کے خیال میں عورت پیدائش ایک پدرسری معاشرے میں ہوتی ہے اور وہ ان ہی پیمانوں پر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے جو اس کیلیے پدری معاشرہ متعین کر دیتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ خود کو ان ہی صفات سے متصف سمجھنے لگتی ہے جو مردوں کی طرف سے اس کی ذات کے ساتھ وابستہ کر دی جاتی ہیں اس طرح عورت کی مخصوص فطرت کو غلام بنالیا جاتا ہے جس سے وہ نفسیاتی، جنسی، طبقاتی اور نسلی بنیاد پر استحصال کا شکار ہو رہی ہے۔ سیمون دی بوائر کی نسائی تعلیمات نے یہ درس دیا کہ ایک مرد کے ذہن میں جو نسائی تصویر کا خاکہ ہے جسے وہ اپنے تئیں مکمل شاہکار تصویر خیال کرتا ہے ایک عورت بالکل اس کے برعکس ہے اور اس کا کام صرف ماں بننے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل انسان ہے جس کی جسمانی ساخت کے علاوہ جذبات، شعور، فہم و فراست، عرفان و آگہی میں وہ مرد کی برابری کر سکتی ہے اس بات کو ڈاکٹر محمد خان اشرف نے اس طرح واضح کیا ہے

> "بیسویں صدی میں مغرب خاص کر فرانس اور امریکہ میں ایک نئے شعور نے جنم لیا اور وہ
> اس بنیاد پر تھا کہ عورت اور مرد دراصل ایک نوع کی جنس نہیں ہیں بلکہ عورتیں بیشتر لحاظ سے
> جسمانی، طبعی، جذباتی، جبلی خصوصیات، تمناوں، خواہشات اور ان کے اظہار میں مردوں سے
> بہت مختلف ہیں "(1)

اس بات کی مزید وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ بحیثیت طبقہ عورت پر ہمیشہ مرد کی بالادستی قائم رہی ہے کیونکہ عورت پر نازک دلی، شرم و حیا اور کمزور دل جیسے لیبل لگا کر ایک دوسرے درجے پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کے خلاف مغرب میں ایک کامیاب رد عمل سامنے آیا تھا۔ ادبی نظریات کے محققین کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سینی کا فالز امریکہ میں ہونے والی خواتین کی پہلی

کانفرنس (۱۸۴۸) ہی اس تحریک کا نقطہ آغاز ہے جس میں اس تحریک کو ایک فکر عطا ہوئی تھی اسی کانفرنس میں عورتوں نے وہ تاریخی مانگ کی تھی جسے "رائٹ ٹو ووٹ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اس کے دھندلے دھندلے سے نقوش اٹھارویں صدی میں متشکل ہونا شروع ہو چکے تھے جب خواتین نے اپنی انفرادیت کو پہچان دینے کے لیے چرچ کو پکارا تھا اسی تناظر میں بعض مفکرین میری وال اسٹون کرافٹ کی کتاب A vedication of the rights of women جو ۱۷۹۲ میں شائع ہوئی، کو تانثیت کی پہلی معتبر آواز کہتے ہیں۔

سینکافالز کانفرنس نے عورتوں کی آواز کو ایک ایسا آہنگ عطا کر یا جس نے نہ صرف معاشرتی اور تہذیبی بلکہ ادبی سطح پر بھی ایک ہلچل مچادی تھی چنانچہ اس کانفرنس کے تسلسل کے طور پر ۱۸۵۱ میں دوسری کانفرنس Ohio میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں شامل ایک مقرر Sojournir Truth کی ایک تقریر نے مروج پدر سری معاشرے کے افکار پر ضرب کاری لگائی اس کی تقریر کے ایک حصے میں کہا گیا

> "کالے کپڑوں میں ملبوس وہ پستہ قد آدمی کہتا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق کیسے مل سکتے ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ عورت نہیں تھے۔ میں پوچھتی ہوں حضرت عیسیٰ کہاں سے آئے تھے ؟ کہاں سے۔ خدا اور ایک عورت کی طرف سے۔ ان کے ظہور میں مرد کا کوئی دخل نہیں تھا۔"(۲)

اس کے بعد وہ مقام آتا ہے جب اس تحریک کو باقاعدہ فلسفیانہ بنیاد فراہم کرنے کی کوششوں کا آغاز ہوتا ہے اور یہی بنیادیں ایک باقاعدہ نظریے کے واضح خدوخال بنتے دکھائی دیتی ہیں۔ اسی تحریک کی نظریاتی بنیادیں مستحکم کرنے میں جان سٹورٹ مل کے افکار کے ساتھ ساتھ سیمون ڈی بور اور جوڈتھ ٹیلر کی تخلیقات نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ جان سٹورٹ مل نے مروج تانیثی روایت یعنی "عورت حاکمیت کی اہل نہیں " کے تارو پود بکھیر دیے اور اس بات کو تاریخی دلائل سے ثابت کیا کہ دراصل دنیا میں بالادستی ہمیشہ مردوں کے نظریات اور افکار کی رہین منت ہے اور وہ اسے فطری یا نیچرل کہہ کر ان کے غیر منصفانہ ہونے کے دلائل کو پس پشت ڈال دیتے۔ اسٹورٹ مل کے مضمون The Subjection of Women نے اس تحریک کو گویا ایک دستور عطا کیا۔ مل کے نظریات اور دلائل میں اس قدر سچائی تھی کہ یہی دلائل رفتہ رفتہ تانیثی فلسفے کی بنیاد بنتے چلے گئے جس کی کوکھ سے پھر ادبی تانیثیت اور تانیثی تنقید نے جنم لیا جس نے اس صنفی امتیاز کو ادبی شناخت عطا کی جس امتیاز کے حوالے سے ڈاکٹر حمیرا اشفاق کہتی ہیں

> "تحقیق سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مردوں اور عورتوں میں امتیاز کرنے کا کوئی خاطر خواہ جسمانی یا نفسیاتی جواز نہیں ہے اور اگر ہم اس بات پر اڑے رہیں کہ مرد وزن مختلف ہی ہیں، تو جب کبھی ور جہاں بھی کوئی فرق نظر آیا ہے، وہ عورتوں کی حمایت میں ہی جاتا ہوا پایا گیا ہے، پھر بھی عورتوں کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے، اس امتیازی سلوک کی جڑیں دراصل ان رویوں میں پائے جانے والے اختلافات میں موجود ہیں، جو معاشرے عمومی طور پر مردوں اور عورتوں کی جانب روا رکھتا ہے، جب کہ در حقیقت دونوں جنسوں میں کوئی نمایاں حیاتیاتی یا نفسیاتی تفاوت موجود نہیں ہے۔۔۔ معاشرے میں عورتوں کو مردوں سے علیحدگی کی وجہ سے عورتیں ایک

طرف، تو بڑی محبت کرنے والی، خیال رکھنے والی اور مدد گار بن جاتی ہیں اور دوسری جانب وہ
لازماً محتاج، دوسروں پر انحصار کرنے ولی، کمزور اور کمتر ہو کر رہ جاتی ہے۔"(۳)

دوسری جنگ عظیم کے بعد کا دور صنعتی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا اس دور میں ایک تبدیل شدہ معاشرہ سامنے آیا جس نے مروج تمام نظریات کو افکار کہنہ کہہ کر ٹھکرا دیا ایسے میں تانیثیت میں بھی ایک نئی جہت داخل ہوئے جس کے نتیجے میں پہلی مرتبہ خواتین کی ایسی تنظیمیں سامنے آئیں جنہوں نے مطالبہ کیا ہے خواتین کی خانگی ذمہ داریوں میں سے کچھ حکومت اپنے سر لے تاکہ ایک ایسے معاشرے کا قیام عمل میں آسکے جسے حقیقی طور پر Welfare state کہا جاسکے اور جنسی امتیاز کے بغیر سہولیات کی ترسیل عوام تک ہو سکے۔

اس مرحلے پر تانیثی تحریک ادب میں داخل ہوئی اگرچہ یہ منظم، مربوط اور باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر چکی تھی اسے باقاعدہ فلسفیانہ اور نظریاتی اساس مہیا ہو چکی تھی اس کے باوجود ایک تشکیک کی فضا بہر حال موجود تھی اسی فضا کے زیر اثر جب خواتین ادب کے میدان میں داخل ہوتی ہیں تو ایک لمبے عرصے تک مردوں کے قلمی ناموں سے لکھتی رہیں یہ امر تانیث کے فلسفے پر ایک کاری ضرب تھی جس نے ادب میں اس تحریک کے لیے تازیانے کا کام کیا یہ ۱۹ ویں صدی کی ابتدائی پانچ دہائیوں کا عرصہ ہے اس عرصے میں خواتین ادیباؤں میں برونٹیس(Brontes)فلورس نائیٹیکل(Florence Nightagnle)،دیناہ ملوک (Diorah Molok)،ایلزبتھ لنٹن (Elizabeth Linton) جیسے چند نام بہت اہم ہیں۔اگرچہ ان ادیباوں کو کلیتاً نسائی تحریک کی پیروکار نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بقول ترنم ریاض:

"ان ادیباؤں کو تانیثاؤں کے نعرے میں شامل کرنا مناسب نہیں ہے جو 20ویں صدی کی چھٹی
دہائی کے بعد شدت پسند خیالات کے ساتھ سماجی ادبی اور سیاسی سطح پر سرگرم رہیں، لیکن یہ بات
مسلم ہے کہ ان ادیباؤں کی تخلیقات میں تانیثی لب ولہجہ اور ایک واضح نسائی آہنگ نمایاں
ہے"(۴)

اگرچہ ترنم ریاض کا تجزیہ درست ہے لیکن بہر حال ادب میں تانیثی فلسفے کی ادب میں شمولیت کے پہلے دور کی تشکیل ان ہی ادیباوں سے ہوتی ہے، یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے صنعتی دور کے زیر اثر تانثیت کا ایک نیا آہنگ دکھائی دیتا ہے جسے بجا طور پر نسائی تحریک کا دوسرا دور قرار دیا جاسکتا ہے۔اس میں سارہ گرینڈ، مونا کیڈا اور الزبتھ رابنسن نے ادب کے راستے روایتی معیار و اقدار پر کڑی تنقید کی اور اپنی آزادانہ سوچ کو معتبر بنانے کے لیے نسائی شناخت، نسائی جمالیات اور نسائی تنقید جیسے مباحث کے دروازے کھول دیے اس کے بعد جہاں نسائی شناخت اور نسائی جمالیات کی ترکیب وضع ہوتی ہے وہیں خارجی کیفیات کے اظہار کے ساتھ داخلی کیفیات کے اظہار کا سلیقہ بھی سامنے آنے لگتا ہے اور ایسا ادب تخلیق کیا گیا جس میں ان کے اندر کی دنیا تمام تر جذبات اور احساسات کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ورجینیا وولف اور دورتھی رچرڈسن کی تخلیقات جیسے)The Tunnelدی ٹنل(Journey to Paradiseاور(Printed roofنے نسائی جمالیات(Female Aesthetics) کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

آسٹریلیا سے تعلق رکھنے والی گرمن گریٹر (Germain Greer) موجودہ دور کی تانیثاؤں میں ایک اہم نام ہے وہ اپنی تصانیف

" Dady we hardly know you (1989),

The Female Eunch (1970)

The whole woman (1999), The madwoman's under Cloths (1986)

میں نسائی داخلی کیفیات جیسے روح، پیار، بیزاری کا سائنسی اور طبی تجزیہ کر کے عورت کو آزادی کا درس دیتی نظر آتی ہیں۔ میر لین فرنچ نے اس تمام تر روایت کو ان الفاظ میں سمیٹا ہے:

"عورتوں کے حقوق کی حمایت میں فکر و خیال کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے، کرستین ڈیپاں، میری وولسٹو نیکرافٹ، جارج سینڈ اور بیسویں صدی کی دوسری لکھاری خواتین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور پھر انقلابِ فرانس میں سے حقوقِ نسواں کی تحریک بھی پھوٹ پڑی تاہم سیاسی حلقوں میں بڑے پیمانے پر یہ تحریک ۱۸۴۸ سے اور امریکہ سے سینیکا فالز تحریک سے شروع ہوئی۔۔۔اس تحریک سے صرف اشرافیہ کے مرد ہی نہیں تمام مرد زچ ہونے لگے، کیوں کہ اس سے گھر میں عورت اور مرد کا آمنا سامنا ہونے لگا، مزدوروں کی تحریک کے برعکس اس تحریک نے مردوں کو اس پہلو سے جالیا جہاں وہ کمزور تھے، اس صدی میں حقوقِ نسواں کی تحریک نے نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اُنھیں تعلیم، سیاسی حقوق اور ملازمتوں تک رسائی حاصل ہوئی، دوہرے معیار قائم کرنے والے قوانین کو ختم کرایا، جو زیادہ تر صنعتی اور سوشلسٹ ممالک میں رائج تھے"(۵)

اردو ادب میں یہ نظریہ انفرادی سطح پر ارتقاء پذیر تھا اور باقاعدہ تحریک کی صورت میں تانیثیت نظر نہیں آتی شاید اس لیے بھی کہ ہندوستانی معاشرے میں متوسط و اعلیٰ خاندان برطانوی غلبے اور حکمران طبقے سے تعلق کی بنا پر اگرچہ جدید افکار و خیالات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے تھے لیکن ساتھ ہی وہ اپنی مشرقی روایات سے بھی پوری طرح خود کو آزاد نہ کروا پائے تھے۔ خصوصاً عورتوں کے حوالے سے وہ مروج قدیم روایات سے ہی جڑے رہنا چاہتے تھے۔ مسلم ادیباؤں میں بھی اسی گومگو کی کیفیت کی جھلک نظر آتی ہے، حجاب امتیاز علی، کے افسانوں میں یہ کشمکش واضح دکھائی دیتی ہے۔ اردو ادب میں اس نظریے کے مباحث میں آگے بڑھنے سے قبل ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھ لیں کہ علمائے اردو اس نظریے کی کیا تشریح کرتے ہیں۔ ضمیر علی بدایونی نسائی شعور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نسائی شعور دراصل مابعد جدید پوسٹ ماڈرن رویوں کی آگاہی کا نام ہے، جو ہماری فکر کا مکمل حصہ نہیں بن سکا، کیوں کہ ہماری قدریں روایتی طور پر مردوں کی فکر کے تابع رہی ہیں، ان میں عورت کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ وعورتیں مرد کی حاکمیت اور ان کے تابع رسم و رواج دے آزاد ہو کر اپنے آپ کو اس آئینے میں دیکھ رہی ہیں، جو ان کا اور ان سے متعلق معاشرے کا سچا اور اصل روپ اسامنے لا سکے۔"(٦)

ڈاکٹر وزیر آغا کا اس تحریک کے بارے میں کہنا ہے:

"دلچسپ بات یہ ہے کہ اس تحریک نے مختلف شعبوں میں بہ یک وقت اپنی قوت کا اظہار کیا، یعنی سماجی، سیاسی، علمی، ادبی اور دیگر سطحیں اس سے مستفیض ہوئیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر تعلیم کا حصول سب سے بڑا محرک تھا، تعلیم سے مراد صرف تعلیم نسواں نہیں، مردوں میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان بھی ہے، جو بیسوں صدی میں عام ہوا، حتیٰ کہ اس نے تعلیم بالغاں کو بھی اہمیت بخشی۔ تعلیم کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک وہ جو لکھنے پڑھنے کے عمل تک محدود ہے، دوسرا وہ جو معلومات کے حصول پر منتج ہوتا ہے، اور الیکٹرک میڈیا کے ذریعے ان لوگوں تک بھی پہنچتا ہے، جو لکھنے پڑھنے کی سعادت سے محروم ہوتے ہیں۔ خواتین نے اس سے بالخصوص فائدہ اٹھایا۔"(۷)

اردو ادب میں تانیثیت کی جھلک اس وقت دکھائی دیتی ہے جب اردو افسانوں اور ناولوں میں کم سنی کی شادی کے مضر اثرات ، تعلیم نسواں جیسے موضوعات نظر آتے ہیں ان میں رشیدۃ النساء، مسز عباس طیب جی، صغریٰ ہمایوں، عباسی بیگم، اور اکبری بیگم اہم ہیں ان کی تحریریں اگرچہ اب نایاب ہیں لیکن محترمہ ترنم ریاض کی تحقیق کے مطابق ان میں وہ خواتین کو ایک مثالی خاتون بننے پر مائل کرتی ہیں جو ایک وفادار بیوی، فرمانبردار بیٹی اور ایک مثالی ماں کے روپ میں ظاہر ہوتی ہیںبہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی تحریریں نسائی شعور کے بنیادی نقوش فراہم کرتی ہیں۔

انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف سفر شروع ہوتا ہے خواتین کی تنظیمیں معرض وجود میں آنے لگتی ہیں اور ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جاتا ہے جو بہت متنازعہ فیہ ہے مثلاً نذر سجاد کا ناول "آہ مظلوماں" میں کثیر الازدواجی سے پیدا شدہ مسائل کی بھیانک تصویریں دکھائی ہیں یاد رہے نذر سجاد حیدر، قراۃ العین حیدر کی والدہ ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل بھی اس موضوع پر اکبری بیگم نے ناول "گودڑ کا لعل "میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے لیکن عورتوں سے ہمدردی رکھنے کے باوجود اس کے شرعی نقطہ نظر کا دفاع ہی کیا ہے اور انہوں نے کثرت ازدواج کے انسداد کو ضروری قرار تو دیالیکن مجبوریوں کی حالت میں اس کے جواز کی وکالت بھی کی۔ اسی ناول میں اکبری بیگم نے مسلم لڑکیوں کو مخلوط تعلیم کا تصور دیا اس وقت جب لڑکیوں کا اسکول کی شکل تک دیکھنا ناممکن تھا یہ موضوع بتاتا ہے کہ تیزی سے تانیثی شعور اردو ادب اور معاشرے میں ارتقاء پذیر تھا۔ اسی دور کے دیگر ناول نگار خواتین کی تخلیقات میں محمدی بیگم کا "سگھڑ بیٹی "طیبہ بیگم کا "انوری بیگم "صغریٰ ہمایوں کا "مشیر نسواں "اس حوالے سے اہم ہیں اس دور میں نسائی فکر کے حوالے سے نسبتاً معتبر آواز حجاب امتیاز علی کی ہے۔ جو ہندوستان کی پہلی مسلم خاتون ہوا باز بھی تھیں، انہوں نے محض گیارہ سال کی عمر میں "میری ناتمام محبت "لکھ کر ناقدین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اس کے ساتھ ہی وہ دور آتا ہے جسے ہم عصمت چغتائی کا دور کہہ سکتے ہیں۔ یہ اردو ادب میں تانیثیت کی پہلی واضح آواز تھی ان کا ناول "ٹیڑھی لکیر "متوسط مسلم خاندانوں کی پردہ نشین لڑکیوں کی نفسیاتی پیچیدگیوں سے رونما ہونے والے مسائل کا عکاس ہے ۔اس ناول کے پیش لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسے یہ ناول عصمت کی آپ بیتی ہے ۔اس ناول کی ہیروئن "شمن "تانیثی حسیت

(Sensibility) کا ایک مرقع ہے۔ عصمت چغتائی نے عورت سے متعلق معاشرتی خیالات اور پ-ختہ روایات کے بت کو توڑا انہیں عورتوں کی زندگی کے تمام مثبت اور منفی پہلوں کی مکمل آگاہی تھی۔ عصمت چغتائی کے بارے میں ڈاکٹر فرزانہ اسلم لکھتی ہیں:

"عصمت چغتائی نے عورتوں کی زندگی کے مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کی حق تلفیوں اور بے انصافیوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ بے جوڑ شادیوں کے نتائج ، ازدواجی زندگی، اور جنسی تعلقات سے متعلق چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی پیش کیا ہے۔"(۸)

عصمت چغتائی کے افسانے اپنے نسائی شعور اور نسائی لب و لہجے کی بدولت امر ہو گئے وہ نسائیت اور نسوانیت کو ایک دوسرے کے لئے لازم قرار دیتی ہے وہ فیمینیزم کی علم بردار نظر آتی ہیں عورت کے مقام کو پہچاننا، معاشرے میں اس کی حیثیت کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والی روایات کو سمجھنا اور ان کے خلاف عملی قدم اٹھانا تانیثیت ہے۔ جیلانی بانو کے ہاں کسی مخصوص طبقے سے تعلق رکھنے والی عورت کا تصور موجود نہیں بلکہ ان کے ہاں پڑھی لکھی عورت کے بھی مسائل ہیں اور مقتدرہ طبقے کی عورت بھی معاشرے کے جال میں پھنسی ہوئی ہے، جدھر ان پڑھ عورت مسائل سے دوچار ہے ادھر پڑھی لکھی عورت بھی کسی نہ کسی مسئلے کا شکار نظر آئے گی، اگر ان پڑھ عورت دبی ہوئی زندگی گزار رہی ہے تو پڑھی لکھی عورت بھی معاشرے کی بندیوں میں جکڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے وہ بھی آزاد نہیں ہے۔ نذیر احمد جیلانی بانو کے افسانون کے موضوعات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"بحیثیت مجموعی جیلانی بانو کے افسانوں کی دو موضوع بنیادی ہیں۔ (ا) غربت کی حکایت اور (۲) مشرقی عورت کا المیہ۔ بظاہر یہ دونوں ایک دوسرے سے غیر متعلق معلوم ہوتے ہیں لیکن دونوں کا منبع ایک ہے۔ یعنی دونوں کو جنم دینے والا جاگیردارانہ نظام ہے جس کا نمایاں وصف اقتدار ہے"(۹)

افسانوی مجموعہ "انگارے" میں شامل مصنفہ رشید جہاں نے خواتین افسانہ نگاری میں ایک ساتھ کئی سیڑھیاں پھلانگ کر خواتین کو جہاں اظہار و بیان کا نیا راستہ دکھایا اور نئے نئے موضوعات کے ساتھ قلم کا بے باک اور حقیقی استعمال بھی سکھایا وہیں خواتین قلم کاروں کو سماج کے ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا جہاں ان کی حیثیت بطور افسانہ نگار تسلیم کی گئی اور ان کے فن کو اہمیت حاصل ہوئی۔ بانو قدسیہ کے افسانوں میں عورت پڑھی لکھی ہے جو کہ پر اعتماد ہے مردوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں وہ مردوں کے معاشرے میں ان کے قدم سے قدم ملا کر اپنے فرائض کو سرانجام دیتی ہے اور وہ نسوانی قوت جو مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، ہمیں اس کے افسانوں میں نظر آتی ہے۔ بانو قدسیہ کا معاشرتی زندگی کا بہت گہرا مطالعہ تھا وہ گھروں میں ملازمہ کے واقعات کے بیان کا بہت گہرا شعور رکھتی ہیں بانو قدسیہ کے افسانوں میں جگہ رکھنے والی عورت کسی نہ کسی مسئلے سے دوچار دکھائی دیتی ہے۔ ان کے افسانے میں کلثوم کے کردار کو دیکھیں جو اپنے کالے رنگ کے مسئلے سے دوچار ہے۔ افسانے کا نام ہی "کلو" اسی نسبت سے ہے۔ ممتاز شریں کا پہلا افسانہ جو "ساقی" میں چھپا، اُس کا عنوان 'انگڑائی' تھا۔ یہ ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے۔ جو خود م نرگسیت کا شکار ہے۔ اور یہی نرگسیت آہستہ آہستہ ہم جنس پرستی کی طرف لے جاتی ہے۔ ہم جنس پرستی اُس دور کا موضوع نہیں تھا، مگر ممتاز شریں نے اس پر قلم اٹھایا۔ ایسے دور میں جب صنف مخالف سے محبت کے جذبات

بھی استعاروں میں بیان کیے جاتے تھے اس وقت ممتاز نے ہم جنس پرستی پر قلم اٹھا کر مروج روایات کے تاروپود بکھیر کر رکھے دیے۔ یہ انداز مابعد جدیدیت کی تحریک کا ہے اور تانیثیت بھی اسی کی ایک آف شوٹ کہی جاسکتی ہے۔ رضیہ سجاد ظہیر نے ہمیشہ مظلوم، مجبور اور مصیبت زدہ خواتین کے مسائل کو روح کی گہرائیوں سے محسوس کیا ''نگوڑی چلی آوے ہے'' میں انہوں نے اس مجبور اور مظلوم عورت کو پیش کیا ہے جو اپنا سب کچھ برباد کر کے بھی بھی اپنے شوہر سے محبت کرتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہوتی ہں جن کی بدولت انسان اور انسانیت کا چراغ روشن نظر آتا ہے۔ جمیلہ ہاشمی بحیثیت ناول نگار اور افسانہ نگار سنجیدہ ادیب کی صورت میں جگہ بناتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں جابجا تانیثیت کے پہلو دکھائی دیتے ہیں۔ یہ جذباتیت سے کام نہیں لیتی بلکہ ہر کام عقل سے کرتی ہیں۔ خدیجہ مستور کے افسانے ''ہوس''، ''جوانی'' اور ''کیا پایا'' میں پڑھی لکھی اور ملازمت پیشہ لڑکیوں، خواتین کی داستان ہے عموماً پڑھی لکھی باشعور لڑکیاں اپنے گرد لوگوں کے منافقت اور خود غرضانہ دوغلے پن، بے جا پابندیوں، سختیوں، گالی گلوچ اور دھونس کے رویوں سے شادی سے متنفر ہو جاتی ہیں، کیوں کہ شادی کے بعد لڑکیوں کے ساتھ مال مسروقہ کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔

کوئی بھی ادبی تحریک اور نظریہ یک جہتی نہیں ہوتا اس کے بہت سے رنگ اور پہلو ہوتے ہیں اور ایک توانا ادبی نظریے میں یہ خصوصیت بہر حال موجود ہی ہونی چاہیئے ورنہ وہ نظریہ ریت پر پانی کی دھار ثابت ہوتا ہے۔ تانیثیت میں یہ خصوصیت موجود ہے کہ اس کے بہت سے رنگ ہیں اور مختلف ادیباوں نے اسے اپنے اپنے رنگ میں پیش کیا ہے۔ قرۃ العین حیدر اردو کا ایک ایسا معتبر نام ہے جس نے اپنے منفرد اسلوب کے باعث اردو فکشن کو بہت سے موضوعات دیے۔ ان کے ہاں تانثیت ایک مختلف رنگ میں نظر آتی ہے اس حوالے سے پروفیسر سیما صغیر رقم طراز ہیں:

> "یہاں یہ وضاحت کرتی چلوں کہ تانیثیت بطور اصطلاح قرۃ العین حیدر کا بنیادی موضوع نہیں رہا کیوں کہ وہ جھنڈا اٹھا کر احتجاج کرنے کو پسند نہیں کرتی ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے کئی انٹرویوز میں لکھا ہے کہ وہ ادب میں Ladies compartment کے خلاف ہیں۔ تاہم ان کے یہاں تانیثیت کا رجحان ایک نئی معنویت کے ساتھ ابھرا ہے"(۱۰)

خدیجہ مستور کے افسانے ''ہوس''، ''جوانی'' اور ''کیا پایا'' میں پڑھی لکھی اور ملازمت پیشہ لڑکیوں، خواتین کی داستان ہے عموماً پڑھی لکھی باشعور لڑکیاں اپنے گرد لوگوں کے منافقت اور خود غرضانہ دوغلے پن، بے جا پابندیوں، سختیوں، گالی گلوچ اور دھونس کے رویوں سے شادی سے متنفر ہو جاتی ہیں، کیوں کہ شادی کے بعد لڑکیوں کے ساتھ مال مسروقہ کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔

اب وہ دور آتا ہے جس میں کوئی موضوع شجر ممنوعہ نہیں رہا اس حوالے سے بانو قدسیہ کا افسانہ "انتر ہوت اداسی" بہت اہم ہے اس میں بہت ہی Bold سوچ کی عکاسی کی گئی ہے اور اس انداز سے کہ شاید عصمت چغتائی کی آنکھیں بھی ان کے سامنے جھک جائیں۔ پھر ان کا شاہکار "راجہ گدھ"۔ اس دور کے بعد نسائیت کی تحریک کے اجزاء شاعرات کی تخلیقات میں بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ دیکھئے پروین شاکر:

تو میر طرح یکتا ہے مگر میرے حبیب
جی میں آتا ہے کوئی اور بھی تجھ سا دیکھوں

پھر ادا جعفری کا انداز دیکھئے تانیثی شعور اور حسیت نئے رنگ میں ڈھلتی ہوئی نظر آتی ہے۔

میں تو خود خالق و کوزہ گرہ صناع بنی
شہربانو بھی میرا نام رہا مریم بھی
ہے درد ابھی جادو اثر ٹھہرو ذرا
ویراں نہ ہوجائے یہ گھر ٹھہرو ذر
بے گانگی کی آنچ میں جھلسے ہوئے
موسم بدل جائیں گے اگر ٹھہر و ذرا

دیگر شاعرات جن کی تخلیقات میں تانیثیت کا گہرا شعور ملتا ہے ان میں ساجدہ زیدی، زاہدہ زیدی، کشور ناہید، رفیعہ شبنم عابدی شامل ہیں۔ غیر افسانوی اصناف جیسے سفر نامے اور مکتوب نگاری میں بھی ہمیں مخصوص نسائی لب و لہجے کا ایک قابل قدر سرمایہ نظر آتا ہے۔ سفر ناموں میں صغریٰ ہمایوں مرزا حیاؔ، رفعیہ سلطانہ نازلی، عطیہ فیضی، آصفہ مجیب، امیر النسا بیگم، بشریٰ رحمٰن، بیگم سربلند جنگ، بیگم حسرت موہانی، ڈاکٹر ثریا حسین، صالحہ عابد حسین، قراۃ العین حیدر اور بیگم اختر ریاض الدین کے نام اہم ہیں۔ مکتوب نگاری میں چونکہ داخلی کیفیات کا سچا بیانیہ ہوتا ہے اس لیے نسائی شعور اور تانیثی جذبات کی حدت ان میں واضح دکھائی دیتی ہے۔ نسائیت کے تناظر میں بیگم حسرت موہانی، پروین شاکر، قراۃ العین حیدر، ثمینہ راجہ، خدیجہ مستور، بیگم ایلس فیض، امرتا پریتم، سارا شگفتہ، صفیہ اختر، حجاب امتیاز علی، نذر سجاد حیدر کے نام تخصیص کے ساتھ لیے جاسکتے ہیں۔

ماضی قریب اور عصری صورت حال میں تانیثیت ایک ایسے توانا رجحان کے طور پر سامنے آئی ہے جس نے تمام گذشتہ تمام ادبی رویوں میں تغیر کی ایک لہر پیدا کی ہے جس سے کم و بیش تمام ادبی اصناف کی جمالیات میں دلکش اضافے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد خان اشرف، ڈاکٹر، عظمت رباب ڈاکٹر، "اشرف اللغات"، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018، ص:۱۶۸

۲۔ ترنم ریاض، "جشم نقش قدم"، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۵، ص:۳۴

۳۔۔ حمیرہاشمی، "عورت اور نفسیات"، مشمولہ "عورت زبان خلق سے زبان حال تک"، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۰ء ص۲۹۷

۴۔ ترنم ریاض، "جشم نقش قدم"، ص:۳۷

۵۔ میر یلین فرنچ، "عورت کے خلاف جنگ ہر محاذ پر"، مترجم: شفقت تنویر مرزا، مشمولہ: عورت زبان خلق سے زبان حال تک، مرتب: کشور ناہید، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ؁۲۰۰۰ء، ص:۱۳

۶۔ ضمیر علی بدیوانی / فاطمہ حسن، "نسائیت کی تحریک اور اردو ادب"، مکالمہ (کتابی سلسلہ ۱۰)، کراچی: اکادمی بازیافت، جنوری تا جون؁۲۰۰۳، ص۲۱

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "تانیثیت"، مشمولہ: تضمین (سہ ماہی)، لاہور: حافظ جمیل پرنٹنگ پریس، اکتوبر۔دسمبر؁، ۲۰۰۷ص۷

۸۔ فرزانہ اسلم: '"عصمت چغتائی، بحیثیت ناول نگار"'، نئی دہلی: سیمانت پرکاشن؁۱۹۹۶، ص:۹۵

۹۔ نذیر احمد: '"جیلانی بانو کی افسانہ نگاری"'، مشمولہ، 'الفاظ'، شمارہ جون؁۱۹۸۴ء، مدیر جمیل اختر، ص۱۹

۱۰۔ سیما صغیر، پروفیسر، "تانیثیت اور اردو ادب"، لاہور: کتابی دنیا اردو بازار؁۲۰۲۱، ص:۱۷